“God Surrounds All Things”: An Islamic Perspective on the Environment

★ William C. Chittick

”خدا تمام چیزوں کو گھیرے ہوئے ہیں“، ماحول پر ایک اسلامی نقطہ نظر

مترجم نتاشہ اعجاز

{This article is Urdu translation of “God Surrounds All Things”: An Islamic Perspective on the Environment” written by William C. Chittick, Distinguished Professor, Department of Asian and Asian-American Studies, Stony Brook University, USA. The article is translated into Urdu by Natasha Ijaz, BS Urdu final Semester at Government Graduate Talim-ul-Islam College Chenab Nagar}

ماحول کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے ہمیں اس سوال سے شروع کرنا ہے کہ اسلام روایتی طور پر ہمارے متعلقہ موضوع کو کس طرح زیرِ بحث لاتا ہے۔ قرآنی زبان میں "ماحول" کو کس لفظ سے بیان کیا گیا ہے؟ اگر آج یہ چودھویں صدی کا قاہرہ یا اصفہان ہوتا تو اس کے لیے کون سی اصطلاح استعمال کی جاتی؟ بلاشبہ اسلامی دنیا کی عصری زبانوں مثلاً عربی، ترکی، فارسی اور اردو میں لفظ 'ماحول' کا بامعنی انداز میں ترجمہ کرنا ممکن ہے لیکن ایسا اس لیے نہیں کہ اس لفظ کا جو تصور آج کل سمجھا گیا ہے وہ ہمیشہ سے ان زبانوں میں موجود رہا ہے بلکہ اس کی واضح وجہ یہ ہے کہ ماحول سے متعلقہ ہمارا مخصوص نظریہ جدید سائنس کے ساتھ پروان چڑھا ہے۔ حتیٰ کہ اُنیسویں صدی سے پہلے انگریزی زبان میں بھی ماحول کے موجودہ معنی سے متعلقہ اصطلاح کو تلاش کرنا مشکل ہوتا۔[1] یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ 'ماحول کا مسئلہ' جس میں مغرب اس حد تک الجھا ہوا ہے، صرف اور صرف سائنسی ترقی کی وجہ سے ابھرا۔ اگر مسلم دنیا کے بعض حصوں میں بھی شدید ماحولیاتی مسائل ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلامی معاشرہ اپنے نظریات اور اصولوں کے مطابق زندگی گزار رہا ہے بلکہ اس کے برعکس ہوا یہ کہ پچھلے دو سو سال کے حالات و واقعات نے غیر اسلامی طرزِ عمل کو مسلط کیا۔ بالفاظ دیگر، مغربی نظریات اور ٹیکنالوجی کی درآمد اپنے ساتھ مغربی ماحولیاتی مسائل کو بھی لے کر آئی۔ روایتی عالمِ اسلام کو اس سے پہلے کبھی بھی انسان کی پیدا کردہ حیاتیاتی آفات حتیٰ کہ ان کے امکان کا بھی سامنا نہیں کرنا پڑا، اس لیے اسلام کو کبھی بھی ماحول سے متعلقہ اس قسم کے تصورات وضع کرنے کی ضرورت نہیں پڑی جن سے مغرب واقف ہے۔

اس ابتدائی تبصرے کے ساتھ اب ہم قرآن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تمام اسلامی نظریات کا حتمی ماخذ ہے، اور جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیا قرآن میں موجود تصورات میں سے کوئی اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایک روایتی مسلمان انگریزی کے لفظ "انوائرمنٹ" کو کیسے سمجھے گا۔ اس اصطلاح کے لغوی معنی سے قریبی مطابقت رکھنے

★ William C. Chittick is Associate Professor in the Religious Studies Department at the State University of New York at Stony Brook. Dr. Chittick is the author of The Sufi Doctrine of Rumi and other books.

[1] The earliest instance of the use of the word 'environment' in the sense we are discussing today is dated by the Oxford English Dictionary to 1827

والی قرآنی اصطلاح "احاطہ" ہے جس کا مطلب "گھیرنا" ہے۔ چار آیات میں یہ دوزخ کا حوالہ دیتی ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ کافروں کو گھیرنے والی ہے۔ ہمارے مقصد کے لیے سب سے اہم یہ ہے کہ زیادہ تر آیات میں جہاں یہ لفظ آیا ہے اس سے مراد خدا کی ذات ہے جو "کافروں کو گھیرے ہوئے ہے" (2:19)۔ ایک اور جگہ "میرا رب جو تم کرتے ہو اسے گھیرے ہوئے ہے" (11:92)، یا "خدا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"۔ (41:54؛4:126)

اسلامی فکر کی خصوصیت کسی بھی بحث کا آغاز خدا سے کرنا ہے بالکل اسی طرح جیسے ایک روایتی مسلمان کی لکھی ہوئی ہر کتاب کا آغاز اس جملہ سے ہوتا ہے، "شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے"۔ مختصراً، اسلامی نقطہ نظر سے چیزوں کو دیکھنے کی بنیاد "پہلی شہادت" یا "ایمان کی گواہی" ہے کہ "خدا کے سوا کوئی معبود نہیں" ہے ۔باقی سب کچھ اسی گواہی پر منحصر ہے جو ایک ایسی واحد حقیقت ہے جس میں کوئی شک نہیں کیونکہ یہ قرآنی نزول کا جوہر ہے اور حقیقت کی صحیح نوعیت کا تعین کرتی ہے۔ چنانچہ یہ قرآنی بیان کہ "خدا ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے"، ماحول کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو سمجھنے کی کسی بھی کوشش کے لیے ایک مناسب نقطہ آغاز تشکیل دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حتمی طور پر خدا ہمارا ماحول ہے۔ در حقیقت "المحیط" جو کہ قرآن میں خدا کا ایک نام ہے اور زیر بحث لفظ سے اخذ کیا گیا ہے، اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کرتا ہے کہ خدا "وہ ہے جو گھیرے ہوئے ہے" یا "احاطہ کرنے والا" ہے۔ (یہ عملی طور پر ایک اور قرآنی اسمِ الٰہی "الواسع"، "وسعت دینے والا" کا ہم معنی ہے جو اکثر اسمِ الٰہی "العالم"، "سب کچھ جاننے والا" کے ساتھ متصل آتا ہے کیونکہ قرآن کے مطابق خدا ہر چیز کو اپنے رحم اور علم کے احاطے میں لئے ہوئے ہے[2] (20:9،7:89،6:80؛40:7)۔

اگر خدا ہمارا حتمی ماحول ہے تو ہمارا حالیہ ماحول کیا ہے؟ اس کا ایک قرآنی جواب ہے خدا کیونکہ "مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں لہٰذا تم جس طرف بھی رخ کرو وہیں اللہ کا رخ ہے۔ بے شک اللہ بہت وسعت والا سب کچھ جاننے والا ہے" (2:115)۔ "ایک اور جگہ ہے، وہی اول و آخر، ظاہر اور باطن ہے" (57:3)۔ اس نقطہ نظر پر اسلامی تصوف میں بحث کی گئی ہے لیکن یہاں صوفیاء کے باریک مابعد الطبیعاتی نظریات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی سوال کے اور بھی قرآنی جوابات ہیں۔ مثال کے طور پر، قرآن ہمارے موجودہ ماحول کو "اِس دنیا" (الدنیا، لفظی طور پر "وہ جو قریب ہے") کا نام دیتا ہے، ایک اصطلاح جو "الآخرۃ" یعنی "اگلی دنیا" کا متضاد ہے۔ ان دو اصطلاحات میں سے کسی ایک کا ذکر دوسری پر دلالت کرتا ہے۔ بہت سی آیات میں قرآن اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگلی دنیا اِس دنیا سے کہیں بہتر جگہ ہے اور یہ کہ وہاں ہم خدا سے ملیں گے۔ ہم خدا کے ساتھ رہنے کے بعد اِس دنیا میں آئے، ہم اِس

دنیا میں رہتے ہیں جسے خدا گھیرے ہوئے ہے، اور ہم اگلے جہاں میں اس سے دوبارہ ملیں گے۔ قرآن کہتا ہے، "خدا تخلیق کی ابتدا کرتا ہے اور پھر اسے لوٹاتا ہے" (10:34)[3]۔

ہمارے حالیہ ماحول کے لیے ایک اور قرآنی اصطلاح "الارض" یعنی زمین ہے۔ یاد رہے کہ لفظ "اِس دنیا" کی طرح یہ اصطلاح بھی ہم نسبت ہے کیونکہ عام طور پر یہ "آسمانوں" کے ساتھ آتی ہے اور بہر صورت ان پر دلالت کرتی ہے۔ بہت سے مفسرین نے اِس فقرہ "آسمان اور زمین" کو دو بنیادی قسم کی تخلیقات یعنی مادی اور روحانی یا ظاہر اور باطن کا حوالہ دینے کے لئے لیا ہے۔ "جنت کے باشندے" فرشتے ہیں جو نور سے بنے ہیں اور خدا کے قرب میں رہتے ہیں۔

ہم نسبت اصطلاحات کے یہ دونوں جوڑے یعنی 'یہ جہاں اور اگلا جہاں' اور 'زمین و آسمان'، "عالَم" (العالَم) کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کا ترجمہ "دنیا" یا "کائنات" بھی کیا جاتا ہے اور جس کی یہ تعریف کی جاتی ہے کہ "وہ جو خدا کے سِوا ہے"۔[4] پہلا اصطلاحی مجموعہ یہ جہاں اور اگلا جہاں عالَم کو اس کے بننے یا اس کی وقتی ساخت کے معنوں میں بیان کرتا ہے یعنی اس کی موجودہ اور حتمی صورتحال کے معنوں میں۔ دوسرا مجموعہ عالَم کو اس کی جامد یا مکانی صورتحال کے معنوں میں بیان کرتا ہے۔

اسلام کے حقیقتِ الٰہی کی اوّلیت و قطعیت پر اور تمام مخلوقات پر اس کی مطلق قدرت پر زور دینے کا مطلب یہ ہے کہ عالَم کو خواہ اس کا تصور کچھ بھی لیا جائے، صحیح طور پر سمجھنے کے لئے اس کا تعلق اس کے خالق سے جوڑا جائے۔

---

[3] The "return to God" (al-ma'ad) is the third of Islam's three doctrinal principles, after Divine Unity and Prophecy. Cf. W. Chit- tick, "Eschatology," in Islamic Spirituality: Foundations, (vol. 19. of World Spirituality), edited by S. H. Nasr (New York: Crossroad, forthcoming).
[4]The term occurs in the Koran only in its plural form, 'alamin (in 73 instances), and there is discussion among the commentators as to exactly what is meant; most commonly 'the worlds' is inter- preted to mean either all the worlds that have been created by God, or all the inhabitants of "the world," Le., of creation. In any case the term is often defined as here, and in this meaning it is paral- leled by other Koranic terms, such as 'creation' (khalq; this term may also be contrasted with amr, in which case it refers to the corporeal world as opposed to the spiritual world).

حتیٰ کہ اگر ۱۹۸۴ء میں ہمارا واحد مسئلہ ہماری اپنی زمین کا ماحول ہے تاہم ہم اس کی صورتحال کو بھی "تمام اشیاء" کے سیاق وسباق سے ہی سمجھ سکتے ہیں جنہیں صحیح طور پر "خدا گھیرے ہوئے ہے"۔ مزید بر آں، اب تک یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ اسلامی نقطہ نظر میں روحانی دنیا مادی دنیا کا فہم رکھتی ہے اور اسے گھیرے ہوئے ہے۔ یہ ہمارے اوپر کھڑی ہے، ہمارے اور خدا کے درمیان، ہمارے آگے اور پیچھے بھی، پھر ہمارے اور خدا کے درمیان، جو اول بھی ہے اور آخر ہے۔ جب ہم اپنے حالیہ ماحول کو چھوڑتے ہیں خواہ ابھی یہاں کی روحانی دنیا کی طرف پرواز کر کے یا طبعی موت کے ذریعے تو ہم ایک ایسے روحانی ماحول میں داخل ہوتے ہیں جو مادی دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور اسی طرح اُسے خدا گھیرے ہوئے ہے۔

مختصراً ماحول پر اسلام کا نقطہ نظر مکمل طور پر خدا اور کائنات کے اسلامی نقطہ نظر سے اخذ شدہ ہو گا۔ مزید بر آں جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ ماحول سے ہمارا رشتہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ ہم انسان ہی ہیں جنہوں نے اوّلاً ماحول کے توازن کو بگاڑا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اب ہم اس کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر نہیں رہ رہے جو ہمیں گھیرے ہوئے ہے۔ ہم نے انسان اور کائنات کے درمیان صحیح تعلق کو تباہ کر دیا ہے اور اسی طرح انسان اور خدا کے درمیان تعلق کو بھی یا اس کے "جو گھیرے ہوئے ہے" (المحیط) اور "جو گھیرا ہوا ہے" "(المحاط)۔

پھر انسان کیا ہے؟ تمام مخلوقات میں سے انسان کے لئے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ کائنات اور اس کے خالق کے درمیان تعلق کو بگاڑ دے؟ اپنے ارد گرد کی صورتحال کو سمجھنے کے لئے ہمیں پہلے خود کو سمجھنا ہو گا۔ لہٰذا ماحولیات کے مسئلے سے اٹھنے والے سوالات وہ مرکزی سوالات ہیں جن پر اکثر دوسرے مذاہب کی طرح اسلام نے بحث کی ہے: حقیقت کی نوعیت کیا ہے؟ انسان کا اس سے تعلق کیا ہے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو ماحول کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر کو بیان کرنے کا کام خدا، انسان اور کائنات کے بارے میں اسلام کی تمام تعلیمات کی وضاحت کرنے تک آتا ہے۔ یہاں میں قرآنی نظریۂ کائنات کی چند بنیادی اصطلاحات اور تصورات کی طرف اشارہ کر کے اس کام کا صرف آغاز کر سکتا ہوں۔

خدا کی نشانیاں

"آیت" جس کا مطلب نشانی یا علامت ہے، ہر اس چیز کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خدا کے بارے میں قرآنی اصطلاح معلومات فراہم کرتی ہے۔ یہ اصطلاح آج کل مغرب میں "آیت اللہ" کے لفظ سے معروف ہے جس کا مطلب "خدا کی نشانی" ہے اور موجودہ صدی میں ایران میں بعض مذہبی رہنماؤں کے لیے استعمال کی جاتی ہے (صحیح یا غلط یہ یہاں

ہمارا موضوع نہیں۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن تاکیدی انداز میں اس نقطہ نظر کو بیان کرتا ہے کہ کائنات کی ہر ایک چیز خدا کی نشانی ہے بشمول شیطان)۔ آیت کی اصطلاح اپنی واحد اور جمع صورتوں میں تقریباً چار سو مرتبہ قرآن میں استعمال ہوئی ہے۔ عام طور پر دو قسم کی نشانیوں میں فرق کیا جاسکتا ہے، مافوق الفطرت (یا الہامی) االہامی) اور قدرتی۔ پہلے زمرے میں معجزات، قضاء الٰہی، انبیاء پر نازل ہونے والے صحیفے، خود قرآن اور خاص طور پر اس کی ہر ایک آیت شامل ہیں۔ قدرتی نشانیوں کے زمرے میں قدرتی دنیا کی تمام اشیاء کو شامل کیا جاسکتا ہے جیسے سورج، چاند، ستارے، درخت، جانور، ہر وہ واقعہ جو وقوع پذیر ہوتا ہے اور ہر وہ خاکہ اور قانون جو اس دنیا میں سمجھا جاسکتا ہے جیسا کہ یہ حقیقت کہ سورج ہر صبح طلوع ہوتا ہے۔

اسلام کے نظریہ کائنات میں نشانیاں دو یا دو سے زیادہ مختلف قسم کی چیزوں کی نمائندگی نہیں کرتیں بلکہ قدرتی اور مافوق الفطرت باہم ایسے مل جاتے ہیں کہ انہیں ایکدوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ خدائی الہامِ ذات حقیقت کی ایک اندرونی جہت ہے، اسے مذہبی اور مافوق الفطرت سیاق وسباق میں، یا غیر مذہبی اور قدرتی سیاق وسباق میں سمجھا جا سکتا ہے لیکن یہ دونوں سیاق وسباق بڑے نظام ہائے عمل میں موزوں بیٹھتے ہیں- پہلا کائنات کا اور دوسرا خدا کا، ماحول کی وہ دو بنیادی اقسام جن پر ہم نے پہلے بات کی۔ باالفاظ دیگر قدرتی دنیا بنیادی طور پر مافوق الفطرت دنیا سے مختلف نہیں ہے۔ قدرتی چیزوں کو کبھی بھی محض اشیاء کے طور پر نہیں دیکھا جاسکتا، نہ ہی مافوق الفطرت نشانیوں اور معجزات کو قدرتی قوانین سے خارج تصور کیا جاسکتا ہے۔ ہر ایک چیز اور ہر ایک واقعہ خواہ اس کی نوعیت قدرتی ہو یا مافوق الفطرت، وہ خدا کی تخلیق اور خدا کی نشانی ہے۔ لہٰذا ہر ایک سے مناسب تعظیم اور یاد گاری (ذکر) کا معاملہ کیا جائے۔

یہاں اس بات کو دہرانا مناسب ہے کہ اسلام کائنات میں نہ صرف اِس دنیا کو شامل کرتا ہے، جسے ہم دیکھ سکتے ہیں (الشہادۃ)- یا اصولی طور پر دیکھ سکتے تھے اگر ہم صحیح جگہ صحیح وقت پر ہوتے اور ہمارے پاس صحیح آلات ہوتے- بلکہ غیر مرئی دنیا (الغیب) کو بھی جس میں فرشتوں جیسی مافوق الفطرت مخلوقات ہیں اور جو وجودیاتی اعتبار سے عالمِ ظاہر کی نسبت سے خدا سے زیادہ قریب ہے۔ بارِ دیگر، فرشتے اور دوسری غیر مرئی مخلوقات اسلامی نظریہ کائنات کا اتنا اہم حصہ ہیں کہ ہمارا حالیہ ماحول ایک بند نظام نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے جو غیر مرئی اثر ورسوخ سے عاری ہو خواہ وہ ملکوتی ہو یا ربانی۔

عالمِ ظاہر ایک تماشہ گاہ ہے جس میں اعلیٰ حقیقتیں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہیں۔ اسے کبھی بھی ان مطالبات سے الگ نہیں سمجھا جاسکتا جن کا وہ اعلیٰ حقیقتیں ہمیں مکلف ٹھہراتی ہیں:

”تیرے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں، گھروں اور درختوں اور جو کچھ لوگ بناتے ہیں، میں گھر بناؤ۔ پھر ہر قسم کے پھلوں میں سے کھاؤ اور اپنے رب کے آسان راستوں پر چلو“۔ اس کے پیٹ سے ایک پینے کی رنگ برنگی چیز نکلتی ہے جس میں لوگوں کے لئے شفا ہے۔ بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانی ہے۔

(16:68،69)

کیا انہوں نے زمین پر غور نہیں کیا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی چیزیں اگائی ہیں یقیناً اس میں نشانی ہے پھر بھی ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔(26:7،8) [5]

انسان کی خلافت

خدا کی نشانیوں کا خواہ وہ الہامی ہوں یا قدرتی دنیا کی، مطمع نظر انسان ہے۔ متذکرہ بالا آیات میں اور متعدد دیگر اقتباسات میں قرآن نشانیوں کا حوالہ دیتا ہے اور پھر انسان سے ان پر غور و فکر کرنے کو کہتا ہے اور ان کو نظر انداز کرنے اور جھٹلانے والوں کو جہنم کے دردناک عذاب سے خبردار کرتا ہے۔ پیغمبرانِ خدا انسان کو خدا کی یاد دلانے (تذکیر) کے لئے تشریف لائے اور انسان کیا یہ فرض ہے کہ اسے یاد (ذکر) کرے۔ خدا کے رسول انسان کو خدا کی یاد دلانے (تذکیر) کے لیے تشریف لاتے ہیں، انسان کا فرض ہے کہ اسے یاد (ذکر) کرے۔ مختصراً یہ کہ مخلوقات میں (ما سوائے جنّات کے) صرف انسان کو خدا کی نشانیوں پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

پھر انسان توجہ کرے یا نہ کرے۔ خدا کو یاد کرنے یا نہ کرنے کا اختیار صرف اسی کے پاس ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ ”آسمانوں اور زمین کی ہر چیز خدا کی تسبیح کرتی ہے“ (57:1،59:1،وغیرہ) کیونکہ ظاہر ہے تمام چیزیں اس کی نشانیاں ہیں۔ اسی طرح ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں، سورج

[5]. Some of these verses are listed in Fazlur Rahman, Major Themes of the Koran (Minneapolis and Chicago: Bibliotheca Islami- ca, 1980), esp. chap. 4, "Nature," and chap. 5, "Prophethood and Revelation." But the interested reader may find it more useful sim- ply to glance through a translation of the Koran; Arberry's Koran Interpreted (London: Oxford University Press, 1964) is especially recommended since, unlike certain other translators, Arberry rend- ers ayah consistently as "sign," without changing the English term to fit the context.

،چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے انسان؟" (22:18) لہٰذا صرف انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ خدا کے سامنے نہ جھکنے کا انتخاب بھی کر سکتا ہے - اور یہ حقیقت متناقضانہ طور پر شاید خدا کی عظیم ترین نشانیوں میں سے ایک ہے کہ صرف ایک ایسا وجود جسے خدا کے عکس پر ("اس کی شبیہ پر" یا جیسا کہ نبی نے کہا، "رحمٰن کی شبیہ پر") تخلیق کیا گیا، اسے انکارِ خدا کی صلاحیت دی گئی ہے۔ خدا کے علم اور خود مختاری میں حصہ لینے سے انسان اپنے آپ کو ایک چھوٹے خدا کے طور پر پیش کر سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ قران اس نقطے کی طرف اشارہ کر رہا ہے جب وہ کہتا ہے کہ "اللہ ہی کے آگے تابع فرمان ہو کر جھکتے ہیں آسمانوں اور زمین کے تمام لوگ خواہ خوشی سے یا نہ خوشی سے جیسے ان کے سائے صبح و شام کرتے ہیں" (13:15، 3:83)۔ خواہ انسان مرضی سے خدا کے سامنے جھکتا ہے یا نہیں، پھر بھی وہ خدا کی نشانی ہے اور اسی لئے اس کی عظمت کو بیان کرتا ہے۔

قرآن جب اس امانت کی بات کرتا ہے جو خدا نے بنی نوع انسان کو عطا کی ہے تو انسانی اختیار کا تحفہ بھی کم از کم اس کا حصہ ہے۔ "ہم نے یہ امانت آسمان و زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ایسا کرنے سے ڈر گئے، لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا، یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے" (33:72)۔ یہ حقیقت کہ انسان "بڑا ظالم اور جاہل ہے"، واضح طور پر اس کی طرف سے خدا کی امانت کے غلط استعمال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

اکثر مفسرین انسان کو دی گئی امانت سے مراد "عہدِ الست" مراد لیتے ہیں جب اولادِ آدم نے اپنی جسمانی تخلیق سے پہلے خدا کی اپنے اوپر حاکمیت کی گواہی دی تھی - "کہیں ایسا نہ ہو کہ تم روزِ قیامت یہ کہو کہ 'ہم تو اس سے بے خبر تھے'" (7:172)۔ یہ عہد دوسری طرف اس حقیقت سے جڑا ہوا ہے کہ آدم اور اس کی صالح اولاد کو زمین پر خدا کا نائب (خلیفہ) یا نمائندہ بنایا گیا تھا۔ قرآنی تفصیل کے مطابق خدا نے فرشتوں کو بتایا کہ وہ زمین پر ایک نائب مقرر کرنے والا ہے لیکن انہوں نے یہ احتمال ظاہر کیا کہ یہ نائب فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔ لیکن بعد میں جب انہیں پتہ چلا کہ آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے گئے ہیں جبکہ وہ خود ایک محدود علم کے مالک ہیں تو پھر انہوں نے نائب پیدا کرنے میں خدا کی حکمت کو تسلیم کیا۔

آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھانا اس کی ذہانت کی خاص نوعیت اور خدا کی نشانیوں کو سمجھنے کی اس کی اہلیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ خدا نے خود آدم کو نام سکھائے (2:31)، بالفاظ دیگر آدم نے اشیاء کے نام ان کے خدا سے تعلق کے تناظر میں سیکھے نہ کہ اس سے جدا ہونے کے تناظر میں۔ واضح رہے کہ یہ نام آدم کو تب سکھائے گئے تھے جب وہ پہلی بار خدا کی قربت میں تخلیق کیا گیا تھا اور آدم سے قرآن کی واضح مراد "بنی نوع انسان" ہے۔ بہت سے مفسرین اس بات کی

نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ نام تمام اشیاء کی حقیقتیں ہیں یا اشیاء جیسے کہ وہ خدا کی ذات کے علم میں ہیں۔ تصورِ انسان کی اسلامی تشکیل بطور عالمِ اصغر (ذاتِ انسان) جو عالمِ اکبر یا کائنات (تمام چیزوں کا مجموعہ) کا ہو بہو عکس ہے، جزوی طور پر انسانی فطرت کے اس نظریے سے اخذ شدہ ہے کہ تمام اشیاء کے نام اس کے اندر موجود ہیں۔ بالآخر جب انسان خدا کی نشانیوں کو پہچانتا اور تسلیم کرتا ہے تو یہ وہی نام ہیں جو اسے یاد ہوتے ہیں۔ عملی طور پر وہ اس گہرے تعلق کی تصدیق کر رہا ہوتا ہے جو ہر شے اور اس کے خالق کے درمیان موجود ہے یا جیسا کہ صوفیاء کہتے ہیں کہ صورت اور معنی، ظاہر اور باطن، یا عیاں اور مخفی حقیقت کے درمیان۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کی بھی تصدیق کر رہا ہے کہ وہ خود بھی کسی نہ کسی طرح تمام اشیاء کی مانند ہی ہے کیونکہ اپنی ذات سے باہر کا علم وہ اپنی ذات کے اندر سے اخذ کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر آدم کو تمام ناموں کا سکھایا جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کا عکس ہونے کی خوبی کی بنا پر کسی نہ کسی طرح اس کی ہمہ دانی میں حصہ لیتا ہے۔

تمام اشیاء کے بارے میں انسان کے ممکنہ علم کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اسے خدا کی مخلوق پر اختیار دیا گیا ہے۔

قرآن انسان کو یاد دلاتا ہے کہ خدا نے کائنات کی مخلوقات کو اس کے تابع (مسخر) کر دیا ہے۔ یہ تسخیر بذات خود خدا کی واضح نشانیوں میں سے ایک ہے:

کیا تم نے دیکھا نہیں کہ جو کچھ زمین میں ہے اللہ نے اسے تمہارے لیے کس طرح مسخر کر دیا ہے؟(22:65)

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسے تمہارے لیے کس طرح مسخر کر دیا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل کی ہیں(31:20)

قرآن بیان کرتا ہے کہ کس طرح خدا نے فرشتوں کو آدم کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا(2:34)۔ یہ اس حقیقت سے واضح طور پر متصل ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز انسان کے تابع ہے یہاں تک کہ عالمِ غیب کی مخلوق بھی۔

عالمِ اصغر اور عالمِ اکبر اس الُوہی ربط کے ذریعے متحد ہیں جو اس وقت قائم ہوا جب خدا نے انسان کو اپنی صورت پر اپنا نائب بنایا۔ اس قرآنی علمِ بشریات کا واضح مطلب یہ ہے کہ مخلوقات میں سے صرف انسان ہی زمین کو تباہ کر سکتا ہے۔[6]

---

[6]. Though man is "active" in relation to nature in his role as vicegerent (whether or not he fulfills it), he is "passive" inasmuch as it manifests God's signs and thereby plays a revelatory role, Though man is nature's steward, he is also in need of the wisdom it imparts to reach the full

پھر بھی انسان ایک لاینفک اتحاد کے ذریعے زمین سے جڑا ہوا ہے تاکہ کائنات کی ظاہری حالت اس کے شعور کی باطنی حالت کی عکاسی کرے۔ فاعل (انسان) اور مفعول (اشیاء) غیر منفک ہیں اگرچہ اوّل الذکر فعال کردار ادا کرتا ہے۔ لٰہذا کسی ایک طرف کے تعلق کی علالت دوسری طرف کی علالت کی ہی ایک علامت ہو سکتی ہے جبکہ فساد کی ذمہ داری فعال شریک پر عائد ہوتی ہے۔

اس مقام پر ایک اہم سوال کا جواب درکار ہے: کہ انسان اس امانت کو عملاً کیسے اٹھا سکتا ہے؟ وہ کس طرح کامل نائب بن سکتا ہے جو زمین میں فساد نہ کرے بلکہ اس کے برعکس اس میں امن اور ہم آہنگی قائم کرے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں انسانی فطرت کے متعلق قرآنی تصور کی ایک اور جہت کو دیکھنا ہوگا۔

عبدِ خدا

یہ کہنا کہ قرآن آدم اور اس کی اولاد کو خدا کے نائب کے طور پر منفرد کرتا ہے، قرآنی علمِ بشریات کی مکمل تصویر پیش نہیں کرتا۔ ایک بات تو واضح ہے کہ تمام بنی آدم حقیقی نائب کے طور پر کام کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی، فساد اور خونریزی کا آغاز قابیل سے ہو گیا تھا۔ اس کے زمانے سے ہی ایسے لوگ رہے ہیں جو امانت کا حق ادا کرنے میں ناکام رہے اور اس طرح زمین میں فساد پھیلاتے رہے۔ لٰہذا اس سے پہلے کہ ہم قرآن کے تصورِ انسان کی ایک مکمل تصویر حاصل کریں، کائنات میں انسان کے مقام کے بارے میں ایک دوسری اہم قرآنی تعلیم کو بھی تصورِ خلافت میں شامل کرنا ضروری ہے۔ یہ "خادمیت" (عبودیت) ہے جو انسان کو اس کی انسانیت کی تکمیل تک پہنچنے اور اس طرح خدا کا نائب بننے کا باعث بنتی ہے۔[7]

ایسا نائب جو زمین پر حکمرانی اپنی خواہش کے مطابق نہیں بلکہ حکمِ خدا کے مطابق کرتا ہے۔ وہ خدا کی نمائندگی کرنے کے قابل اس لئے ہے کیونکہ وہ محدود انفرادی محرکات سے آگے نکل گیا ہے اور اس نے اپنی مرضی کو خدا کی رضا کے تابع کر دیا ہے۔ لٰہذا وہ خدا کا "خادم" یا "بندہ" (عبد) کہلاتا ہے۔ خود نبی محمد ﷺ جو مسلمانوں کے

---

perfection of the human state. It is in the doctrine of the "signs" that close parallels are to be found between the Islamic view of nature and the Red Indian concept that man must learn from all living things.

[7] Those familiar with Islamic thought will recognize that I have reversed the more usual order of things for the sake of the argument.

لیے انسانی کمالات کا سب سے بڑا نمونہ ہیں، روزانہ کی نمازوں میں ان کا ذکر بھی "عبدہ ورسولہ" (خدا کا بندہ اور اس کا رسول) کے طور پر کیا جاتا ہے۔ پہلے محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم خدا کے بندے ہیں صرف تب ہی وہ اس کے نبی ہونے کے اہل ہیں۔ اسی طرح نبی کی پیروی کرنے والوں کے لیے بھی پہلے خدا کا بندہ ہونا ضروری ہے صرف تب ہی وہ اس کے نائب بننے کی امید کر سکتے ہیں۔ انسان خود کو خدا کے تابع فرمان کیے بغیر اس کی امانت نہیں اٹھا سکتا۔ اس نظریے کی بنیادی اہمیت لفظ 'اسلام' کے لغوی معنی سے ظاہر ہوتی ہے یعنی خدا کا تابع فرمان ہونا۔ مختصراً یہ کہ اگر ایک نقطہ نظر سے انسان کو خدا کا نائب بننے کے لئے تخلیق کیا گیا تو دوسرے نقطہ نظر سے اسے اس کا بندہ بننے کے لئے تخلیق کیا گیا:

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالٰی ہے، "میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر صرف اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں" (51:56)۔[8]

تو پھر "خدا کی بندگی" کیا ہے جو امانت کو اٹھانے اور خدا کا نائب بننے کے لیے شرط ہے؟ فقط خدا کا تابع فرمان ہونا جیسا کہ قران میں نازل کیا گیا اور نبی کی مثال (سنت، یا "اچھا نمونہ"، اسوہ حسنہ، جس کا قرآن میں حوالہ دیا گیا ہے) میں ظاہر ہوا۔ (33:21) بالفاظ دیگر انسان زمین پر خدا کی نمائندگی اس کے نازل کردہ مذہب کی پیروی کیے بغیر نہیں کر سکتا۔ وحی کی پیروی میں ناکام ہونا خدا کی واضح نشانیوں کو نظر انداز کرنا اور منکرین میں سے ہو جانا ہے۔

'منکر' یا 'بے دین' (کافر) کی اصطلاح بذاتِ خود قرآن کا ایک اہم تصور ہے، جیسا کہ یہ ایک اور مثال فراہم کرتا ہے کہ مسلمان کس طرح کائنات میں اور خدا کے سامنے انسانی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں۔ 'انکار' (کفر) کی اصطلاح کا لغوی معنی جو قرآن میں لفظ 'یقین' (ایمان) کے متضاد کے طور پر استعمال ہوا ہے، "ایمان کی کمی نہیں" بلکہ "کسی کو ملنے والی نعمتوں پر پردہ ڈالنا" یعنی ناشکری ہے۔ انسان کی طرف سے خدا کی ناشکری کا تصور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسان نے، بندے نے ارادتاً اور دانستہ طور پر اپنے اور اپنے رب کے درمیان رابطے کو منقطع کر دیا ہے۔ اس طرح

[8]. Many commentators point out that the first three verses of the Fatihah ("Praise belongs to God, the Lord of the worlds, the All-Merciful, the All-Compassionate, the Master of the Day of Judgment") refer to God, while the last three ("Guide us on the Straight Path, the path of those whom Thou hast blessed, not of those against whom Thou art wrathful, nor of those who are astray") refer to the servants. Only the middle verse refers to both sides, establishing a direct, personal link between God and his creatures.

یہ ہمیں نشانیوں کے قرآنی نظریے کی طرف واپس لاتا ہے: کافروں یا ناشکروں کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ خدا کی نشانیوں پر پردہ ڈالتے اور انہیں چھپاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ کائنات اس کی تماشہ گاہ ہے اور صحیفے اس کی طرف سے ہدایت ہیں۔ قدرتی دنیا اور خدا کے بھیجے ہوئے مذاہب کی تعظیم اور ان کا شکر ادا نہ کرنا، ناشکرے کفار کی صفوں میں شامل ہونا ہے۔ اور قرآن میں خدا فرماتا ہے، جو لوگ خدا کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے ایک ہولناک عذاب منتظر ہے (3:4، 2:39، 4:56، 5:10، 5:86، 22:57)۔

قرآن کی ایک معروف ضابطے کے مطابق خدا کافروں کو جو سزا دیتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ "دنیا اور آخرت دونوں سے محروم ہو جاتے ہیں" (22:11)۔ دراصل خدا کی ان واضح نشانیوں میں سے ایک جن کو قرآن اکثر دہراتا ہے، یہ ہے کہ اس نے پوری تاریخ میں کافروں کو تباہ کیا ہے۔ قران متعدد مقامات پر فرماتا ہے، "زمین میں سفر کرو اور دیکھو ان کا انجام کیا ہوا جنہوں نے جھٹلایا" (3:137، 6:11، 16:36) یا "وہ جنہوں نے گناہ کیا"۔ (27:69)

جب انسان کفر اور ناشکری میں مبتلا ہو جائے اور خدا کی اطاعت و عبادت جو کہ اس کا حق ہیں، کرنے میں ناکام ہو جائے تو وہ اپنے اعمال کا پھل خود ہی پائے گا۔ لہٰذا قرآنی پیغام واضح ہے: انسان خدا کا نائب ہو سکتا ہے، اس کی طرف سے مخلوق پر حکومت کر سکتا ہے لیکن صرف اس شرط پر کہ وہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی کے تابع کر دے۔ اگر انسان انبیاء کے ذریعے پہنچائی گئی خدا کی طرف سے ہدایت کا تابع بننے میں ناکام رہے تو وہ ایک حقیقی نائب کے طعر پر کام نہیں کر سکے گا۔ امن اور ہم آہنگی قائم کرنے کی بجائے وہ فساد پھیلائے گا۔ بالخصوص اسلام کا کردار قطعی طور پر یہ ہے کہ انسان کی حتمی بھلائی کے پیش نظر آسمانوں اور زمین کے درمیان امن اور توازن کو قائم کیا جائے۔ لفظ 'اسلام' جن حروفِ اصلیہ سے مشتق ہے ان کا معنی "امن" (سلام) ہے اور اس طرح مسلم شعور میں "خدا کے تابع فرمان ہونے" (اسلام) کا مطلب "اس کے ساتھ سلامتی سے ہونا" بھی ہے۔ حقیقت کی ترتیبی نوعیت کے پیش نظر یہ فطری ہے کہ اس کے ساتھ سلامتی سے رہنا "جو گھیرے ہوئے ہے" یعنی ہمارا پہلا اور حتمی ماحول، ہمارے حالیہ ماحول کے ساتھ سلامتی سے رہنے کی شرط ہے۔ جب تک ہم خدا کے ساتھ ہم آہنگی میں نہیں رہتے ہم کائنات کے ساتھ بھی ہم آہنگی میں نہیں رہ سکتے۔ انسان خدا کا نائب ہونے کی حیثیت سے مخلوق پر حکومت صرف اس شرط پر کر سکتا ہے کہ وہ خود پر خدا کی حکمرانی کو قبول کرے۔ جیسے وہی وہ خدا کے خلاف بغاوت کرے گا، مخلوقات اس کے خلاف بغاوت کریں گی۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ انسان ان مخلوقات کے ہاتھوں تباہ ہونے کے دہانے پر کیوں کھڑا ہے جن پر اسے حکمرانی کرنی تھی۔